۳

عربوں کے ذہن میں بھڑکتی آگ
انقلابات کی تاریخ میں عرب بہار کی حیثیت

مارک پیری

خلاصہ:

آگ انقلاب کی علامت بھی ہے اور اس کا اہم ترین ہتھیار بھی۔ امریکی انقلاب اور تاریخ کے دیگر اہم واقعات کی طرح عرب بہار کا آغاز بھی 'آگ' ہی سے ہوا جب تیونس کے ایک نوجوان محمد بوعزیزی نے پولیس کے ناروا رویے پر احتجاج کرنے کے لیے خود کو آگ لگالی۔ تب سے اب تک ماہرین، عرب بہار کے اثرات ونتائج پر بحث کر رہے ہیں اور یہ بھی کہ مذہب یا فوج میں سے کس کا کردار زیادہ اہم ہوگا۔ تاہم انقلاب کا مستقبل تو تیونس، مصر، یمن اور شام کے عوام ہی سے منسلک ہے۔ تماشائیوں رناظرین کے لیے بہترین پالیسی یہ ہے کہ وہ اس آگ کو جلنے دیں۔

دسمبر ۲۰۰۵ء میں، اسلامی مزاحمتی تحریک، حماس کے سرکردہ راہنما کو بیروت ہوٹل میں امریکی اور یورپی ریٹائرڈ افسروں کے چھوٹے سے اجتماع سے خطاب کرنے کی دعوت دی گئی۔[۱] شام سے ایک مشہور سلفی رہنما کو بھی مدعو کیا گیا تاکہ وہ حماس کے رہنما کے خیالات پر اپنا تبصرہ پیش کر سکے۔ اس اجتماع کا مقصد سیاسی اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کے متعلق جاننا اور اندازہ کرنا تھا۔

حماس اور سلفی دونوں ہی رہنما قوتِ بیان سے مالا مال، مختلف زبانوں پر عبور رکھنے والے، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور برسوں سے اپنے لوگوں کو منظم کر رہے تھے۔ حماس کے سیاسی اثرات کا اندازہ جنوری

۲۰۰۶ء میں ہونے والے انتخابات میں بہتر انداز سے لگایا جا سکے گا جب مغربی کنارے اور غزہ کے لوگ اپنا حق رائے دہی استعمال کریں گے۔[۲] ان انتخابات کو سیاسی اسلام کی مقبولیت کا پہلا امتحان گردانا جا رہا تھا۔

حماس کے رہنما نے اپنی تحریک کی تاریخ اور ڈھانچے کے متعلق بتانے سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ اس نے ۱۹۹۹ء میں ہونے والے اوسلو معاہدہ کو ناپسندیدہ قرار دیا اور الفتح کے لیڈر یاسر عرفات (''ہمارا عظیم قومی رہنما'') کو سلام پیش کیا۔ اس کے بعد خطاب میں بڑی قوت آ گئی۔ حماس کے رہنما نے آنے والے انتخابات کے متعلق اپنی تحریک کی حکمت عملی کا مفصل تذکرہ کیا۔ اس حکمت عملی میں رائے دہی، ہدف بنائے گئے خصوصی گروپ، ''پیغام کے اثرات جانچنا''، فنڈ جمع کرنا، ڈیجیٹل پیغام رسانی، ''اِدھر اُدھر ہو جانے والے ووٹرز''، ''کرپشن کے خلاف واضح پروگرام'' جس کے متعلق اس کا کہنا تھا کہ یہ یقیناً ووٹرز کی توجہ حاصل کرے گا۔

یہ گفتگو ان مغربیوں کے لیے ایک دھچکے سے کم نہ تھی جو برسوں سے اسی مفروضے کا شکار تھے کہ سیاسی اسلام پسند (Political Islamists)، سیاسی سے کہیں زیادہ مذہبی ہوں گے۔ لیکن ان کے سامنے ایک ایسا شخص کھڑا تھا جسے روایتی امریکی یا یورپی اعتبار سے "Pol" (انتخابات کا بندہ) کہا جا سکتا تھا اور جس کی توجہ ''عوام کے ایک بڑے حصے کو اپنی جانب مائل کرنے'' پر تھی، ''نوجوان اور خواتین جس کی توجہ کا مرکز'' تھے۔ اس نے اپنی گفتگو کا اختتام ایک پیش گوئی سے کیا کہ جنوری میں ہونے والے انتخابات میں عوام ہمیں ہی ووٹ ڈالیں گے۔ ہم یہ الیکشن جیت جائیں گے۔ تاہم، اس زوردار گفتگو نے، سلفی رہنما پر کوئی اثر نہیں ڈالا جو اس کے پہلو میں جذبات سے عاری اور بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ اس نے اپنی بات چیت کا آغاز عربی اور پھر انگلش میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا۔ پھر اسلام میں سیاست کے مقام پر روشنی ڈالی اور زیادہ تر حوالہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہ کرامؓ کے دور کا دیا، وقتاً فوقتاً قرآنی آیات سے بھی سہارا لیا جاتا رہا۔

لیکن جلد ہی اندازہ ہوا کہ بظاہر اس غیر اہم خطاب نے اس اجتماع کے اہم ترین نکتے کا پیش

لفظ مہیا کیا۔ اسلام کی بنیادوں اور اس کے ''اہم ترین سیاسی اسباق'' کے طویل بیان کے بعد پورے خطاب میں پہلی مرتبہ حماس رہنما کی جانب دیکھا۔ اس کے الفاظ مغرب کی حیران کن تردید سے شروع ہوئے لیکن اختتام وہابی نظریات کے خلاف کام پر اُبھارنے سے ہوا۔

اس نے اپنے ساتھی حماس رہنما کی جانب دیکھتے ہوئے کہا، ''میرے دوست، میری بات غور سے سنو۔ وہ تمہیں الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت تو دے سکتے ہیں (''وہ'' کہتے ہوئے اس نے اپنا سَر مغربی سامعین کی جانب گھمایا) اور وہ تمہیں الیکشن جیتنے بھی دیں گے لیکن وہ کبھی بھی تمہیں حکومت نہیں کرنے دیں گے''۔ وہ اختتام سے قبل ایک مرتبہ پھر ڈرامائی انداز میں رُکا اور کہا ''لہٰذا میرے ساتھ آؤ اور ہم مل کر معاشرے سے اس مہلک مرض کا خاتمہ کریں۔ ہم انہیں جلا کر راکھ کردیں گے اور ہم مکہ سے یہ کام شروع کریں گے''۔۳

آگ انقلاب کی علامت بھی ہے اس کا اہم ترین ہتھیار بھی۔ ۱۷۷۶ء میں، امریکی انقلاب کے دوران، برطانیہ کے زیرِ انتظام، نیویارک سٹی میں آگ لگ گئی اور اس میں تقریباً ایک چوتھائی شہر جل کر راکھ ہوگیا۔ جارج واشنگٹن نے، جو انقلابی فوج کی کمان کر رہا تھا، کہا ''خدا نے، یا ہمارے کسی دیانت دار ساتھی نے ہمارے لیے وہ کام کر دکھایا ہے جو ہم خود بھی اپنے لیے نہیں کر سکتے تھے''۔۴ تھامس جیفرسن کو یہ پریشانی لاحق تھی کہ اس کی نئی قوم کا نعرہ کہ ''تمام انسان برابر پیدا کیے گئے ہیں''، غلاموں میں ایک نئی آگ شروع کردے گا۔ انقلابِ فرانس کی شروعات بھی ایک عبادت گاہ کو جلائے جانے سے ہوئی تھیں۔۵

دنیا کے تمام انقلابی خواہ وہ سیاستدان ہوں، شاعر، مصور یا کوئی بھی تخلیق کار، آگ کو ہمیشہ انقلاب کے استعارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ کلاڈ فرانکوئس (Claude Francois)، ڈیلاکروئس (Delacroix)، دوستوفسکی (Dostoyevsky) وغیرہ کی تخلیقات اس کی شاہد ہیں۔

یہ نظریہ کہ انقلابات، معاشروں کو جلا کر ان کو پاک کر دیتے ہیں، بیسویں صدی تک موجود رہا بلکہ اب تک موجود ہے۔ جرمنی کا انقلاب بھی ایک آگ سے شروع ہوا جس نے Reichstag اور

پھر پورے یورپ کو جلا دیا۔ حال ہی میں برپا ہونے والے انقلابِ ایران نے بھی ابادان میں ریکس سینما تھیٹر کو آگ لگنے کے بعد، آگ پکڑی۔ ۱۰ اگست ۱۹۷۸ء کو لگنے والی آگ میں ۴۲۲ ایرانی جل مرے جس کے نتیجے میں مظاہروں نے اتنی شدت پکڑی کہ شاہ اور اس کے ساتھیوں کو ایران سے فرار ہونا پڑا۔٦

اسی طرح، عرب بہار کا آغاز بھی ایک آگ ہی سے ہوا۔ ۱۷ دسمبر ۲۰۱۰ء کو تیونس کے ایک چھابڑی فروش محمد بوعزیزی نے پولیس کے رویّے کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے خود کو آگ لگالی تھی۔ پولیس اہل کار نے اسے تھپڑ مارا تھا اور اس پر تھوکا تھا۔ آخری بے عزتی یہ کی کہ اس کا ترازو ___ جو کہ عدل کا عالمگیر نشان ہے اور جس سے وہ اپنی زندگی گزارنے کا انتظام کیا کرتا تھا ___ بھی چھین لیا۔ بوعزیزی کی خودسوزی کا واقعہ سیدی بوزید کے چھوٹے سے شہر سے پورے تیونس میں اور وہاں سے صنعاء، قاہرہ اور درراع تک پھیل گیا۔ ''اگر تم نے مجھے نہ دیکھا، تو میں خود کو جلا لوں گا'' اسی نے اپنے اوپر ظلم کرنے والوں سے چلاّ کر کہا تھا۔ ۷

عرب بہار کے جوش وخروش سے امریکیوں اور یورپیوں کو حیرت کا ایسا ہی دھچکا لگا ہے جیسا ۲۰۰۵ء میں بیروت میں ہونے والے حماس اور سلفی رہنماؤں کے درمیان تبادلۂ خیال سے لگا تھا۔ اس 'عرب بہار' کے ہم پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ کیا ہم واقعی وہ کچھ دیکھنے کے قابل ہیں جو کچھ وقوع پذیر ہو رہا ہے؟ اور یہ آگ کب ختم ہو گی؟

جدید انقلابات کے عظیم مؤرخین کرین برنٹن (Crane Brinton) اور جیمز بلنگٹن (James Billington)، جنہوں نے سب سے پہلے عوامی سیاسی تبدیلی کے ڈھانچے کی شناخت کی تھی، انقلابات کو ایک نامیاتی (Organic) عمل گردانتے ہیں۔ ان کے خیال میں انقلاب اس وقت شروع ہوتا ہے جب منتظمین حکمران ریاست میں کمزوریاں محسوس کرتے ہیں، ان کا انکار کرتے ہیں پھر گلیوں میں پُرتشدد کام شروع ہوتا ہے جس کا ناگزیر نتیجہ ''پرانے نظام'' (Old Order) کا خاتمہ ہوتا ہے۔

اگر چہ برنٹن حکومت کے معاشی بحران کو اور بلنگٹن انقلابی تحریک کے پھیلاؤ کو انقلاب کی وجہ گردانتا ہے۔ لیکن دونوں ہی انقلاب کو شہری نوعیت کا، جوان اور نظریات کے بیچ سے پھلا پھولا قرار دیتے ہیں، جیسا کہ وہ بوسٹن اور پیرس کی سڑکوں پر پہلی مرتبہ سامنے آیا تھا وہ انقلاب کو ان ہی نظریات و احساسات یعنی آزادی (Liberety)، بھائی چارہ (Fraternity)، مساوات (Egalidy) ___ سے جنم لیے گئے خیالات کا تسلسل قرار دیتے ہیں۔

دونوں کا خیال ہے کہ انقلاب ایک چنگاری سے شروع ہوتا ہے، آگ بن جاتا ہے اور شدید آتشزدگی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ انقلاب کا یہ سانحہ ایک کلاک کے پنڈولم سے مشابہت رکھتا ہے کیونکہ انقلاب پذیر معاشرے ایک مضبوط سیاسی مرکز سے، کمزور انتہاؤں کی جانب حرکت کرتے ہیں جہاں انقلابی دہشت کے آلۂ کار، انتہا پسندوں کی رہنمائی میں، قوم کو پاک کر دیتے ہیں۔ اعتدال پسند، طوفانوں کے آگے کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کر سکتے۔

یہ ایک عام سی بات ہے کہ کوئی بھی دو انقلابات ایک جیسے نہیں ہوتے۔ عرب بہار کا جائزہ لیتے ہوئے برنٹن اور بلنگٹن کا کہنا ہے کہ وہ تمام تحریکیں جو عرب بہار بنیں سبھی کا آغاز ایک علامتی واقعہ سے ہوا۔ تیونس میں خود سوزی، قاہرہ اور صنعاء میں آتشیں مظاہرے اور درراع (شام) میں بغاوت [۸] یہ سب کچھ ایسے معاشروں میں ہوا جہاں کی حکومتیں انتہائی کمزور اور بدعنوان تھیں۔ اس انقلاب میں حصہ لینے والے زیادہ تر نوجوان تھے، سب کے سب شہروں کے رہنے والے تھے، سب پُرانے نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے اور سبھی غصے سے بھرے ہوئے تھے۔[۹]

جون ۲۰۱۲ء میں 'فارن پالیسی' جریدے کے ایک مضمون میں ایک سیاسی تجزیہ نگار چارلس ہولمز نے برنٹن کے حوالے سے بات کرتے ہوئے، قاہرہ میں پیش آنے والے واقعات کی بالکل درست پیش گوئی کی تھی۔ اس نے لکھا ''پچھلے سال حسنی مبارک کے دور کے خلاف ہونے والی معروف بغاوت کے باوجود، یہ بات درست ہے کہ مصر میں جس سیاسی مقابلے کو اہمیت دی جاتی ہے، اس نے مسجد کے اماموں اور رہنماؤں کے خلاف فوجی جنرلوں کو مقابلے کے لیے تیار کیا ہے''۔[۱۰]

ہولمز کا یہ تجزیہ درست ثابت ہوا۔محمد مرسی کے حوالے صدارت کرنے والوں ہی نے ان کے خلاف فوجی مداخلت اور عبدالفتح السیسی کو اقتدار میں لانے کا راستہ ہموار کیا۔لیکن ایسا لگتا ہے کہ اقتدار پر سیسی کی گرفت بھی اپنے پیش روؤں کی طرح کمزور ہی ہوگی کیونکہ مصر میں آنے والی تبدیلی کا اہم خاصہ مستقل پُرتشدد مظاہرے ہیں جنہوں نے اعتدال پسندوں کو دور دھکیل دیا ہے۔

زندگی کے دیگر شعبوں مثلاً فیشن، انفارمیشن وغیرہ میں بھی انقلابات آتے ہیں لیکن وہ سیاسی انقلابات کے برعکس بے ضرر ہوتے ہیں اور ان کے اثرات بھی ہر شخص تک نہیں پہنچتے۔ ہنہ آرینڈٹ (Hannah Arendt's) اپنی کتاب 'On Revolution' میں لکھتی ہے کہ انقلاب کا مقصد آزادی اور لوگوں کو طاقتور بنانا ہوتا ہے۔[11] انقلاب کی کامیابی کے لیے لوگوں کی تعداد کا زیادہ ہونا ضروری نہیں بلکہ چند لوگ، جو متحد ہو کر کام کر رہے ہوں، ہزاروں لوگوں کو ہلا سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انقلاب میں سب سے زیادہ اہم کردار (نہ تو مسجد یا فوج) یا اشرافیہ اور چرچ کا ہوتا ہے بلکہ عوام کا ہوتا ہے۔ یہ شخصیات نہیں بلکہ عام افراد ہوتے ہیں جو تبدیلی کے سفیر ہوتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عرب دنیا میں ہر جگہ تیونس، مصر، یمن اور شام میں، مسجد کے امام یا فوج کے جنرل نہیں بلکہ وہاں کے عوام عرب بہار کا مستقبل طے کریں گے۔

مستقبل کے مؤرخین عرب بہار کا مطالعہ کرنے کے لیے اپنی زندگیاں لگا دیں گے بالکل ایسے ہی جیسے ہم بوسٹن، پیرس، پیٹروگراڈ اور تہران کے واقعات کے مطالعے میں وقت صَرف کرتے ہیں۔

تیونس، مصر، یمن اور شام میں آنے والے انقلابات ''مقامی انقلابات'' نہیں ہیں بلکہ عرب دنیا میں گہری اور ناقابل تبدل تبدیلیوں کے غماز ہیں۔انقلاب ابھی ختم نہیں ہوئے، ابھی تو صرف آغاز ہے۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ انقلاب کے ابتدائی دنوں میں رہنمائی کرنے والے قائدین کو بھلا دیا جاتا ہے جیسا کہ کہ ڈانٹن (فرانس)، کرینسکی (روس)، سُن یاٹ سن (چین) کے ساتھ ہوا اور ہوسکتا ہے کہ مستقبل کی نسلیں عبدالفتح السیسی کو اسی طرح یاد کریں جیسے ایران کے ابوالحسن بنی صدر کو یاد کیا جاتا ہے!

اس انقلاب کی آگ ابھی پھیلے گی۔ سوڈان، قطر، امارات اور سعودی عرب کے حکمران اس خوف میں مبتلا ہیں کہ عرب بہاران کے ملکوں کا بھی رُخ نہ کر لے۔

ہم (یعنی مغرب میں رہنے والے) مختلف مظاہروں میں شرکاء کی بہت بڑی تعداد دیکھ کر ہی پریشان رہتے ہیں جب کہ جو چیز زیادہ اہم ہے وہ ان کی مستقل مزاجی ہے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم (مغربی) لوگ ان مظاہروں پر اثر انداز ہونے اور ان کو کوئی شکل دینے کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟ یہاں بھی تاریخ سے سبق سیکھنے کی ضرورت ہے۔ آج باراک اوبامہ پر (بعض مصری، ''دہشت گرد'' اخوان المسلمون کی پشت پناہی کرنے کی وجہ سے تنقید کرتے ہیں اور بعض سیسی کی حمایت کرنے کی وجہ سے) بالکل پٹ (Pitt) کی طرح جسے دنیا کی ردِعمل کی طاقتوں کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ باراک اوبامہ نے جان بوجھ کر اس انقلاب سے خاصا فاصلہ رکھا ہوا ہے کیونکہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ اس سلسلے میں بہت ہی محدود ہے جو وہ اس انقلاب کو قابو کرنے کے لیے کر سکتا ہے۔[۱۲] وہ اپنی ''غیر جانب داری'' برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس پٹ (Pitt) نے انقلاب کی آگ کو بجھانے کے لیے بھرپور کردار ادا کیا اور انقلابِ فرانس کے حامی، شدت پسند برطانویوں کو جیلوں میں بند کرا دیا اور اس کے ساتھ اس انقلاب کے نظریاتی مخالفین سے بھی ایک فاصلہ رکھا۔[۱۳]

پٹ کا یہ طریقہ کار ہمارے لیے بھی طلسم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس انقلاب کو کامیاب بنانے یا ناکام کرنے کی ہماری کسی بھی کوشش کی مخالفت کی جائے گی اور وہ ناکام ہوگی۔ ہمیں اس صورتِ حال میں وہی کرنا چاہیے جو بہت بڑے پیمانے پر ہونے والی آتش زدگی کی صورت میں فائر فائٹرز کرتے ہیں۔ وہ آگ کو جلنے دیتے ہیں کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس آگ کا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں وہ تیونس، قاہرہ، صنعاء یا دراع میں نہیں ہے بلکہ یہ عربوں کے ذہنوں میں ہے۔

(تلخیص و ترجمہ: منزہ صدیقی)

Source: Mark Perry, "A fire in the minds of Arabs: The Arab Spring in Revolutionary History." *Insight Turkey*, Winter, 2014.

﴿حواشی﴾

ا۔ یہ اور اس جیسی بہت سی دوسری ملاقاتوں کا احوال، جو اسلامی گروپوں کے نمائندوں سے کی گئیں، Asia Times آن لائن کے سلسلۂ مضامین سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

http://www.atimes.com/atimes/Middle_East/HC31AK02.html

۲۔ حماس نے جنوری ۲۰۰۶ء میں ہونے والے انتخابات میں قدرے زیادہ کامیابی حاصل کر لی تھی جتنی کہ اس سے ایک ماہ قبل بیروت میں پیش گوئی کی گئی تھی، دیکھیے:

http://www.washingtonpost.com/wp-dyn/content/article/2006/01/26/AR2006012600372.html

۳۔ سلفی رہنما نے سعودی وہابی ازم کے لیے مسلسل اپنی نفرت کا اظہار کیا اور اسے اسلام کی ترمیم شدہ شکل قرار دیا۔ یہ تبصرہ وہ پس منظر فراہم کرتا ہے جس میں بعد ازاں امریکہ نے شام کے سلفیوں کی مدد کرنے پر سعودی حکومت پر تنقید کی۔

4. http://www.nyfreedom.com/fire.htm

5. http://tyberven.tripod.com/

۶۔ یہ نظریہ کہ انقلابات کو جلا نظریات سے ملتی ہے، عام مشاہدے کی بات بن چکی ہے۔ جارج ڈبلیو بش نے اپنے دوسرے افتتاحی خطاب میں کہا تھا کہ ایک دن ایسا آئے گا جب آزادی کی یہ بے لگام آگ ہماری دنیا کے تاریک ترین حصوں میں بھی پہنچ جائے گی۔ دیکھیے:

http://www.theamericanconservative.com/articles/radical-son/

7.http://www.theguardian.com/world/2011/feb/12/egypt-cairo-street-protests-tunisia-mubarak-obama

۸۔ مشرقِ وسطیٰ کے ایک تجزیہ نگار مارک لنچ (Marc Lynch) نے سب سے پہلے یہ اصطلاح (عرب بہار) 'Arab Spring' ''فارن پالیسی'' میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں استعمال کی تھی۔ بعد ازاں اس نے اپنی کتاب *The unfinished Revolutions of the New Middle East*، (New York: Public Affairs, 2013) میں اس تحریک کے بارے میں تفصیل سے لکھا۔

۹۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ مجھ سے اس بات پر اختلاف کریں کہ جو کچھ مصر میں ہو رہا ہے وہ انقلاب نہیں بلکہ خانہ جنگی

ہے۔ میں اس بارے میں بحث نہیں کروں گا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہاں ہونے والے واقعات برنٹن اور ہلنگٹن کی بیان کردہ Categories میں ہی آتے ہیں۔

10. Charles Holmes, "The Five Stages of the Egyptian Revolution", *Foreign Policy*, June 15, 2012. See, http://www.foreignpolicy.com/articles/2012/06/15/the_five_stages_of_egypt_s_revolution#sthash.J1oxpylb.dpuf

11. http://muse.jhu.edu/journals/cul/summary/v074/74.soni.html

۱۲۔ اپنی وزارتِ عظمیٰ کے آخر میں Pitt نے اپنی پوزیشن واضح کی۔ اس نے فرانس میں ہونے والے تشدد سے شدید نفرت کا اظہار کیا اور یہ بھی کہا کہ اس کے پاس اسے روکنے کے لیے کچھ کرنے کا بہت ہی کم موقع تھا۔ وہ اس بات پر پختہ یقین رکھتا تھا کہ فرانس میں ہونے والے واقعات محض سیاسی نہیں ہیں بلکہ یہ تاریخی ہیں۔ دیکھیے:

http://books.google.com/books?id=PKVCAAAAYAAJ&pg=PA186&lpg=PA186&dq=william+pitt+on+the+french+revolution&source=bl&ots=3Br26DP2fH&sig=UkluRCMnENprP3af4SksZmx-fgA&hl=en&sa=X&ei=w7HJUvq5NqTksASd94CgDQ&ved=0CEUQ6AEwAzgU#v=onepage&q=william%20pitt%20on%20the%20french%20revolution&f=false

13. http://www.h-net.org/reviews/showrev.php?id=2454